16 ۔ پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

علامہ اقبالؒ

شعر نمبر 1:

ڈالی گئی جو فصلِ خزاں میں شجر سے ٹوٹ
ممکن نہیں ہری ہو سحاب بہار سے

تشریح:

جو شاخ خزاں کے موسم میں درخت سے ٹوٹ جاتی ہے وہ موسم بہار کی بارشوں میں بھی ہری بھری نہیں ہو پاتی، اسی طرح جو فرد قوم سے کٹ جاتا ہے وہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔

زندگی کی ہر شے مسلسل تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ اس کائنات کی بنیاد ہی تغیر پر ہے۔

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

زندگی میں ہونے والی تبدیلیاں اور تغیرات مثبت بھی ہوتے ہیں اور منفی بھی، انہی منفی تبدیلیوں میں ایک تبدیلی خزاں کے موسم کی آمد بھی ہے جب نباتات میں قوت نمونہ ہونے کے برابر رہ جاتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ درختوں اور پودوں کے پتے خشک ہو کر جھڑنے لگتے ہیں، شاخیں ٹنڈ منڈ ہو جاتی ہیں۔ اس صورت حال میں اگر کوئی شاخ درخت سے ٹوٹ جائے تو پھر موسم بہار میں اس کے ہرا ہونے کا کوئی امکان نہیں رہتا کیونکہ اس نے اس تعلق کو توڑ دیا جہاں سے اسے زندہ رہنے کے لیے غذا ملنا تھی، علامہ محمد اقبال اس اصول کو فرد اور جماعت کے تعلق پر لاگو کرتے ہیں کہ کوئی بھی فرد ہو اس کی زندگی، اس کی بقا اپنی جماعت سے وابستگی پر ہوتی ہے اگر کوئی فرد اپنی قوم سے اپنے گروہ سے اپنی جماعت سے الگ ہو جائے، اپنا تعلق اس سے توڑ دے تو پھر اس کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

انسان جو گروہی زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ علامہ اقبال اس کے لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ وابستہ رہے۔ مسلمانوں سے اسی بات کا تقاضا قرآن مجید بھی کرتا ہے۔

"اے ایمان والو اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقے میں نہ پڑو"

وہ فرد جو قوم سے الگ ہو جاتا ہے وہ اپنی پہچان کھو بیٹھتا ہے۔ اس کا وجود معدوم ہونے لگتا ہے۔

شعر نمبر2:

ہے لازوال عہدِ خزاں اُس کے واسطے

کچھ واسطہ نہیں ہے اُسے برگ و بار سے

تشریح:

درخت سے ٹوٹی شاخ ہمیشہ کے لئے خزاں رسیدہ رہتی ہے اسے پھر پھول پتوں سے کوئی واسطہ نہیں رہتا۔ زندگی میں ہونے والی تبدیلیاں دو طرح کی ہوتی ہیں اول وہ تبدیلیاں جو دائرے کی صورت میں ہوتی ہیں یعنی جو اپنے آپ کو دہراتی رہتی ہیں جو ہمیشہ کے لیے نہیں ہوتیں۔ دوم وہ تبدیلیاں جو اگر ایک بار آجائیں تو پھر انھیں پلٹنا ممکن نہیں ہوتا۔ موسموں کی تبدیلی تو دائرے میں ہونے والی تبدیلی ہے کہ بہار کے بعد خزاں اور خزاں کے بعد بہار آتی رہتی ہے لیکن اس خزاں میں جو پتے یا شاخیں درخت سے الگ ہو جاتی ہیں وہ پھر کبھی ہری بھری نہیں ہو سکتیں۔ پھر ان کے خزاں کا موسم مستقل طور پر ٹھہر جاتا ہے۔ علامہ محمد اقبال کا موقف یہ ہے کہ جس طرح درخت سے ٹوٹی ہوئی شاخ بہار کے موسم کی قوت نمو سے بھی پھول پتے حاصل نہیں کر سکتی اسی طرح وہ فرد جو قوم سے الگ ہو جائے وہ بھی ہمیشہ کے لیے پھلنے پھولنے کی صلاحیتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسی لیے وہ رنگ و نسل جغرافیائی اور لسانی تقسیم کے خلاف تھے کیوں کہ یہ تقسیم افراد کی ملت کی وحدت کو ختم کر دیتی ہے۔

رہے گا راوی و نیل و فرات میں کب تک

ترا سفینہ کہ ہے بحرِ بے کراں کے لیے

علامہ اقبال رنگ و نسل کے امتیاز کو بت قرار دیتے ہیں اور یہ خواہش ظاہر کرتے ہیں کہ ان بتوں کو توڑ کر مسلمان امت واحدہ میں ڈھل جائیں گے۔

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا

نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

اقبال امت مسلمہ کو دوسری تمام اقوام کے مقابلے میں منفرد اور مختلف قوم قرار دیتے ہیں کہ اس کی بنیاد ملک، زبان، رنگ یا نسل کے فرق پر نہیں بلکہ مذہب پر ہے اور اگر مذہب کو چھوڑ دیا تو پھر کچھ باقی نہیں رہے گا۔

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں

جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں

شعر نمبر3:

ہے تیرے گُلستاں میں بھی فصلِ خزاں کا دور

خالی ہے جیبِ گل، زرِ کامل عیار سے

تشریح:

تمہارے باغ میں بھی خزاں کا دور دورہ ہے کہ یہاں گلاب کے پھول زردانوں سے محروم ہیں۔ نباتات کی افزائش میں زردانے بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ چونکہ خزاں کے موسم میں نباتات میں قوت نمو نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے تو پھول اول تو کھلتے ہی نہیں کھلیں تو زردانوں سے محروم

ہوتے ہیں۔ علامہ اقبال کا موقف یہ ہے کہ امت مسلمہ میں ایسے افراد موجود نہیں جو قوم کی کشتی کو بھنور سے نکال سکیں۔ گویا معاشرہ قحط الرجال کا شکار ہے۔

کیا غضب ہے کہ اس زمانے میں
ایک بھی صاحب سرور نہیں

علامہ اقبال کی شاعری میں اس امر کا احساس بڑی شدت سے موجود ہے کہ وہ افراد جن میں قوموں کو سنبھالنے، ترقی دینے کی صلاحیت ہوتی ہے وہ اب امت مسلمہ میں موجود نہیں، چنانچہ وہ بار بار ماضی اور حال کے مسلمانوں کا موازنہ کرتے ہیں۔

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

اقبال مسلمانوں کے عمل اور کردار کا بھی موازنہ کرتے ہیں اور یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ آج کا مسلمان کردار کی اعلیٰ صفات سے محروم ہے۔

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیارا

عصر حاضر کے مسلمانوں میں جب وہ ذوق و عمل کی کمی دیکھتے ہیں تو مایوس نہیں ہوتے بلکہ وہ نوجوان نسل کو دعوت عمل دیتے ہیں کہ تمہیں چاہیے کہ تم اپنے لئے ایک نئی دنیا تشکیل دو۔ یہی تمہاری زندگی کی دلیل ہے۔

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
حاصل کن ہے زمیر کن فکاں ہے زندگی

یہ علامہ اقبال ہی کی جگر سوزی تھی کہ برصغیر کے مسلمانوں نے قائداعظم کی قیادت میں برصغیر کی نہ صرف تاریخ بدلی بلکہ جغرافیہ بھی بدل دیا۔

شعر نمبر 4:

جو نغمہ زن تھے خلوتِ اوراق میں طیور
رخصت ہوئے ترے شجرِ سایہ دار سے

تشریح:

وہ پرندے جو درختوں پر بیٹھے گیت گا رہے تھے۔ تمہارے باغ سے رخصت ہو گئے ہیں۔ مطلب یہ کہ وہ ہستیاں جن سے زندگی کی رونق تھی وہ اب موجود نہیں ہیں۔

باغ کی خوبصورتی محض درختوں پھول پھل اور پتوں سے نہیں ہوتی۔ چہچہاتے ہوئے پرندے ہی باغ میں زندگی کی علامت بنتے ہیں، اسی طرح کوئی بھی قوم ہو، چند افراد ایسے ہوتے ہیں جو قوم کی زندگی کے آثار بن کر ظاہر ہوتے ہیں، اگرچہ ایسے افراد صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

جب معاشرہ زوال کی حالت میں ہو تو پھر قحط الرجال زیادہ شدت سے محسوس ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض مقامات پر اس کمی کو محسوس کر کے علامہ اقبال کا لہجہ قدرے تلخ ہو جاتا ہے۔

حیدری فقر ہے نے دولت عثمانی ہے

تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے

اقبال مسلمانوں کی بے عملی کو بڑی شدت سے محسوس کرتے ہیں۔

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے

من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

جب امت مسلمہ کو عروج حاصل تھا تو زندگی کے ہر شعبے میں نامور لوگ پیدا ہوئے، سائنس، فلسفہ، شعر و ادب زندگی کا کون سا شعبہ ہے جس میں مسلمانوں نے اپنے کمال کا لوہا نہ منوایا ہو، لیکن جب مسلمان زوال کا شکار ہوئے تو پھر علم و ہنر سائنس و فلسفہ ہر قابلیت سے محروم ہوتے چلے گئے، اسی صورت حال کو علامہ اقبال ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں کہ اب ہمیں ایسے افراد دکھائی نہیں دیتے جو امت مسلمہ کی کھوئی ہوئی عظمت واپس لے آئیں۔

شعر نمبر 5:

شاخِ بُریدہ سے سبق اندوز ہو کہ تُو

نا آشنا ہے قاعدہ روزگار سے

تشریح:

چونکہ تم زمانے کے قواعد و قوانین سے پوری طرح آگاہ نہیں ہو اس لیے تمہیں چاہیے کہ تم درخت سے ٹوٹی ہوئی شاخ سے سبق سیکھو۔ انیسویں صدی میں مغربی فلسفی سپنگلر نے یہ کہا کہ فطرت یا نیچر کے اصولوں کو سماجی زندگی پر بھی منطبق کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ یہ افکار حقیقت سے بہت قریب تھے اس لیے انہیں بہت پذیرائی ملی۔ سر سید احمد خاں نے تو نیچر کے اصولوں کو اس طرح مانا کہ لوگ انہیں نیچری کہنے لگے۔ علامہ محمد اقبال بھی اس نظم میں نیچر کے ایک اصول کو فرد اور قوم کے باہمی تعلق پر لاگو کرتے ہیں اور قوم کے افراد جن کے درمیان تعلق یا تو ٹوٹ چکا ہے یا بہت کمزور ہو گیا ہے اسے جوڑنے کا مشورہ دیتے ہیں، علامہ اقبال دیکھتے ہیں کہ قوم کے افراد فرقہ واریت اور ذات پات کا شکار ہیں۔

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں

کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو

تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

فطرت کا اصول ہے کہ اگر کوئی شاخ درخت سے ٹوٹ جائے تو پھر وہ کسی صورت ہری بھری نہیں ہو سکتی۔ یہی بات فرد اور قوم کے تعلق کے حوالے سے بھی سچی ثابت ہوتی ہے کہ جب کوئی فرد اپنی قوم سے ناتا توڑ لیتا ہے تو گویا وہ اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مار لیتا ہے۔ چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ فرد بلا امتیاز رنگ و نسل، مذہب ایک وحدت میں ڈھل جائے یہی اسلامی تعلیمات بھی ہیں۔ قدرت بھی یہی سکھاتی ہے اقبال کی آرزو بھی یہی ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے

نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

شعر نمبر 6:

ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

تشریح:

جس طرح خزاں کے موسم میں شاخیں درخت سے جڑی رہتی ہیں اور بہار کا انتظار کرتی ہیں اسی طرح تمہیں بھی چاہیئے کہ اپنی قوم کے ساتھ اچھے دنوں کی امید میں جڑے رہو۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ امت مسلمہ کی مثال ایک ایسی عمارت کی طرح ہے جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو مضبوط کرتی ہے۔ وحدت کا یہ تصور مسلمانوں کو ہر طرح کی تقسیم سے روکتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

"اے ایمان والو اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقے میں نہ پڑو"

علامہ اقبال کا موقف یہ ہے کہ اس وقت امت مسلمہ زوال کا شکار ہے لیکن یہ زوال دائمی نہیں اس نے ختم ہو جانا ہے۔ تمہیں چاہیے کہ اس دوران مایوسی یا ناامیدی کا شکار نہ ہو جانا کیونکہ ناامیدی انسان کو بے عمل کر دیتی ہے۔ اقبال کا پیغام رجائیت کا پیغام ہے۔

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

اقبال مختلف رہنماؤں کو بھی یہی پیغام دیتے ہیں کہ اپنے ساتھ چلنے والوں سے مایوس نہیں ہونا اگر یہ عمل سے جی چراتے بھی ہیں تو جذبہ و ذوق کی قوت سے محروم نہیں۔

نومید نہ ہو ان سے اے رہبر فرزانہ
کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی

خداوند تعالیٰ بھی انسان کو مایوس دیکھنا نہیں چاہتا اسی لیے نااُمیدی کو کفر کہا گیا ہے، علامہ اقبال کا موقف یہ ہے کہ تمہیں موجودہ صورت حال سے مایوس نہیں ہونا چاہیے کہ امید کا دامن تھامے رکھو۔ بہت جلد اچھے دن آنے والے ہیں۔

دلیلِ صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
افق سے آفتاب ابھرا، گیا دورِ گراں خوابی